وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۰﴾

رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت و وعظ ہے مومنوں کے لیے۔(۱۲۰)

وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿۱۲۱﴾

ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے طور پر عمل کیے جاؤ ہم بھی عمل میں مشغول ہیں۔(۱۲۱)

وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾

اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔[۱] (۱۲۲)

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

زمینوں اور آسمانوں کا علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، تمام معاملات کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے، پس تجھے اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔(۱۲۳)

سُورَةُ يُوسُفَ

سورۂ یوسف مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الر ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿۱﴾

الر، یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔(۱)

نے فرمایا تو میرے عذاب کی مظہر ہے تیرے ذریعے سے میں جس کو چاہوں سزا دوں۔ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ دونوں کو بھر دے گا۔ جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہو گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے میں رہے گی۔ اور جہنم، جہنمیوں کی کثرت کے باوجود ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ﴾ کا نعرہ بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم پکار اٹھے گی۔ قَطْ قَطْ، وَعِزَّتِكَ "بس، بس، تیری عزت و جلال کی قسم" (صحیح بخاری۔ کتاب التوحید، باب ماجاء فی قولہ تعالیٰ إن رحمۃ اللہ قریب من المحسنین، وتفسیر سورۃ ق۔ مسلم، کتاب الجنۃ، باب النار یدخلھا الجبارون والجنۃ یدخلھا الضعفاء)

(۱) یعنی عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن انجام کس کے حصے میں آتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ یہ وعدہ جلد ہی پورا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور پورا جزیرۂ عرب اسلام کے زیر نگین آگیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ②

یقیناً ہم نے اس کو قرآن عربی نازل فرمایا ہے کہ تم سمجھ سکو۔[1] (۲)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③

ہم آپ کے سامنے بہترین بیان[2] پیش کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا ہے اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔[3] (۳)

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ

جب کہ یوسف[4] نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابا جان

---

(۱) آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد، لوگوں کی ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ کتاب اس زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ سکیں، اس لیے ہر آسمانی کتاب اسی قومی زبان میں نازل ہوئی، جس قوم کی ہدایت کے لئے وہ اتاری گئی تھی۔ قرآن کریم کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے، اس لیے قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔ علاوہ ازیں عربی زبان اپنی فصاحت و بلاغت اور اعجاز اور ادائے معانی کے لحاظ سے دنیا کی بہترین زبان ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس اشرف الکتب (قرآن مجید) کو اشرف اللغات (عربی) میں اشرف الرسل (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اشرف الملائکہ (جبرائیل) کے ذریعے سے نازل فرمایا اور مکہ، جہاں اس کا آغاز ہوا، دنیا کا اشرف ترین مقام ہے اور جس مہینے میں اس کے نزول کی ابتداء ہوئی وہ بھی اشرف ترین مہینہ۔ رمضان ہے۔

(۲) قَصَصٌ، یہ مصدر ہے، معنی ہیں کسی چیز کے پیچھے لگنا، مطلب دلچسپ واقعہ ہے۔ قصہ، محض کہانی یا طبع زاد افسانے کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ ماضی میں گزر جانے والے واقعے کے بیان کو (یعنی اس کے پیچھے لگنے کو) قصہ کہا جاتا ہے۔ یہ گویا اخبار ماضیہ کا واقعی اور حقیقی بیان ہے اور اس واقعے میں حسد و عناد کا انجام، تائید الٰہی کی کرشمہ سازیاں، نفس امارہ کی شورشیں اور سرکشیوں کا نتیجہ اور دیگر انسانی عوارض و حوادث کا نہایت دلچسپ بیان اور بڑے عبرت انگیز پہلو ہیں، اس لیے اسے قرآن نے احسن القصص (بہترین بیان) سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) قرآن کریم کے ان الفاظ سے بھی واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے خبر قرار نہ دیتا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں کیونکہ آپ پر وحی کے ذریعے سے ہی یہ سچا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نہ کسی کے شاگرد تھے، کہ کسی استاذ سے سیکھ کر بیان فرما دیتے، نہ کسی اور سے ہی ایسا تعلق تھا کہ جس سے سن کر تاریخ کا یہ واقعہ اپنے اہم جزئیات کے ساتھ آپ نشر کر دیتے۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے سے آپ پر نازل فرمایا ہے جیسا کہ اس مقام پر صراحت کی گئی ہے۔

(۴) یعنی اے محمد! (ﷺ) اپنی قوم کے سامنے یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، جب اس نے اپنے باپ کو کہا۔ باپ حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے اور حدیث میں بھی یہ نسب بیان کیا گیا ہے، الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ (مسند احمد۔ جلد ۲، ص ۹۶)

كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴

میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو[1] دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ (۴)

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

یعقوب علیہ السلام نے کہا پیارے بچے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں،[2] شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔[3] (۵)

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

اور اسی طرح[4] تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا اور تجھے معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا[5] اور یعقوب کے گھر والوں کو بھی،[6] جیسے کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دادا اور پردادا یعنی ابراہیم و اسحاق کو بھی بھرپور اپنی نعمت

---

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں جو گیارہ ہی تھے اور چاند سورج سے مراد ماں اور باپ ہیں اور خواب کی تعبیر چالیس یا اسی سال کے بعد اس وقت سامنے آئی جب یہ سارے بھائی اپنے والدین سمیت مصر گئے اور وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے، جیسا کہ یہ تفصیل سورت کے آخر میں آئے گی۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سے اندازہ لگا لیا کہ ان کا یہ بیٹا عظمت شان کا حامل ہو گا، اس لیے انہیں اندیشہ ہوا کہ یہ خواب سن کر اس کے دوسرے بھائی بھی اس کی عظمت کا اندازہ کر کے کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں، بنابریں انہوں نے یہ خواب بیان کرنے سے منع فرما دیا۔

(۳) یہ بھائیوں کے مکرو فریب کی وجہ بیان فرما دی کہ شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔ اس لیے وہ انسانوں کو بہکانے، گمراہ کرنے اور انہیں حسد و بغض میں مبتلا کرنے میں ہر وقت کوشاں اور تاک میں رہتا ہے۔ چنانچہ یہ شیطان کے لیے بڑا اچھا موقع تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کے دلوں میں حسد و بغض کی آگ بھڑکا دے۔ جیسا کہ فی الواقع بعد میں اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔

(۴) یعنی جس طرح تجھے تیرے رب نے نہایت عظمت والا خواب دکھانے کے لیے چن لیا، اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدگی بھی عطا کرے گا اور خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ تَأْوِيْلُ الْأَحَادِيْثِ کے اصل معنی باتوں کی تہہ تک پہنچنا ہے۔ یہاں خواب کی تعبیر مراد ہے۔

(۵) اس سے مراد نبوت ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ یا وہ انعامات ہیں جن سے مصر میں یوسف علیہ السلام نوازے گئے۔

(۶) اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی، ان کی اولاد وغیرہم ہیں، جو بعد میں انعامات الٰہی کے مستحق بنے۔

دی، یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور زبردست حکمت والا ہے۔(۶)

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۝٧

یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لئے (بڑی) نشانیاں[1] ہیں۔(۷)

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝٨

جب کہ انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی[2] بہ نسبت ہمارے، باپ کو بہت زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم (طاقتور) جماعت[3] ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں۔[4] (۸)

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝٩

یوسف کو تو مار ہی ڈالو یا اسے کسی (نامعلوم) جگہ پھینک دو کہ تمہارے والد کا رخ صرف تمہاری طرف ہی ہو جائے۔ اس کے بعد تم نیک ہو جانا۔[5] (۹)

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝١٠

ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں (کی تہ) میں ڈال آؤ کہ[6] اسے کوئی (آتا جاتا) قافلہ اٹھا لے جائے اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو۔[7] (۱۰)

---

(۱) یعنی اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ان بھائیوں کے نام اور ان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔

(۲) ''اس کا بھائی'' سے مراد بنیامین ہے۔

(۳) یعنی ہم دس بھائی طاقتور جماعت اور اکثریت میں ہیں، جب کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین (جن کی ماں یا مائیں الگ تھیں) صرف دو ہیں، اس کے باوجود باپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔

(۴) یہاں ضلال سے مراد وہ غلطی ہے جو ان کے زعم کے مطابق باپ سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے زیادہ محبت کی صورت میں صادر ہوئی۔

(۵) اس سے مراد تائب ہو جانا ہے یعنی کنویں میں ڈال کر یا قتل کر کے اللہ سے اس گناہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔

(۶) جُبٌّ، کنویں کو اور غَيَابَةٌ اس کی تہ اور گہرائی کو کہتے ہیں۔ کنواں ویسے بھی گہرا ہی ہوتا ہے اور اس میں گری ہوئی چیز کسی کو نظر نہیں آتی۔ جب اس کے ساتھ کنویں کی گہرائی کا بھی ذکر کیا تو گویا مبالغے کا اظہار کیا۔

(۷) یعنی آنے جانے والے نووارد مسافر، جب پانی کی تلاش میں کنویں پر آئیں گے تو ممکن ہے کسی کے علم میں آجائے کہ کنویں میں کوئی انسان گرا ہوا ہے اور وہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ تجویز ایک بھائی نے ازراہ شفقت

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰي يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

انہوں نے کہا ابا! آخر آپ یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔[۱] (۱۱)

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب کھائے پئے اور کھیلے،[۲] اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ (۱۲)

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا اسے تمہارا لے جانا مجھے تو سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھٹکا لگا رہے گا کہ تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے۔ (۱۳)

قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

انہوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی (زور آور) جماعت کی موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بالکل نکمے ہی[۳] ہوئے۔ (۱۴)

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا کہ اسے غیر آباد گہرے کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں، ہم نے یوسف (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ یقیناً (وقت

پیش کی۔ قتل کے مقابلے میں یہ تجویز واقعتاً ہمدردی کے جذبات ہی کی حامل ہے۔ بھائیوں کی آتش حسد اتنی بھڑکی ہوئی تھی کہ یہ تجویز بھی اس نے ڈرتے ڈرتے ہی پیش کی کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی تو یہ کام اس طرح کر لو۔

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے قبل بھی برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی ہوگی اور باپ نے انکار کر دیا ہوگا۔

(۲) کھیل اور تفریح کا رجحان، انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لیے جائز کھیل اور تفریح پر اللہ تعالیٰ نے کسی دور میں بھی پابندی عائد نہیں کی۔ اسلام میں بھی ان کی اجازت ہے لیکن مشروط۔ یعنی ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جن میں شرعی قباحت نہ ہو یا محرمات تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی کھیل کود کی حد تک کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ تم کھیل کود میں مدہوش ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے۔ کیوں کہ کھلے میدانوں اور صحراؤں میں وہاں بھیڑیئے عام تھے۔

(۳) یہ باپ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اتنے بھائیوں کی موجودگی میں بھیڑیا یوسف علیہ السلام کو کھا جائے۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ؕ﴿۱۶﴾

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

آ رہا ہے کہ) تو انہیں اس ماجرا کی خبر اس حال میں دے گا کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں۔ (۱) (۱۵)

اور عشاء کے وقت (وہ سب) اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے (۱۶)

اور کہنے لگے کہ اباجان ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا پس اسے بھیڑیا کھا گیا' آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے' گو ہم بالکل سچے ہی ہوں۔ (۲) (۱۷)

اور یوسف کے کرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے' باپ نے کہا یوں نہیں' بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے۔ پس صبر ہی بہتر (۳)

---

(۱) قرآن کریم نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک دیا' تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تسلی اور حوصلے کے لئے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے' ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسے بلند مقام پر تجھے فائز کریں گے کہ یہ بھائی بھیک مانگتے ہوئے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر تو انہیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح کا سنگ دلانہ معاملہ کیا تھا' جسے سن کر وہ حیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت اگرچہ بچے تھے' لیکن جو بچے' نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں' ان پر بچپن میں بھی وحی آجاتی ہے جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ وغیرہم علیہم السلام پر آئی۔

(۲) یعنی اگر ہم آپ کے نزدیک ثقہ اور اہل صدق ہوتے' تب بھی یوسف علیہ السلام کے معاملے میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہ کرتے' اب تو ویسے ہی ہماری حیثیت متہم اور مشکوک افراد کی سی ہے' اب آپ کس طرح ہماری بات کی تصدیق کرلیں گے؟

(۳) کہتے ہیں کہ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے یوسف علیہ السلام کی قمیص خون میں لت پت کرلی اور یہ بھول گئے کہ بھیڑیا اگر یوسف علیہ السلام کو کھاتا تو قمیص کو بھی تو پھٹنا تھا' قمیص ثابت کی ثابت ہی تھی' جس کو دیکھ کر' علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور فراست نبوت سے اندازہ لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا ہے جو تم بیان کر رہے ہو' بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ہی یہ بات بنالی ہے۔ تاہم چونکہ' جو ہونا تھا' ہو چکا تھا' حضرت یعقوب اس کی تفصیل سے بے خبر تھے' اس لیے سوائے صبر کے کوئی چارہ اور اللہ کی مدد کے علاوہ کوئی سہارا نہ تھا۔

عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

ہے' اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔(۱) (۱۸)

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَأَدْلٰى دَلْوَهٗ ۖ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۚ وَأَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ایک قافلہ آیا اور انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا' کہنے لگا واہ واہ خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے'(۲) انہوں نے اسے مال تجارت قرار دے کر چھپا(۳) دیا اور اللہ تعالیٰ اس سے باخبر تھا جو

---

(۱) منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افہام وارشاد کے جواب میں فرمایا تھا وَاللّٰهِ لَا أَجِدُ لِيْ وَلَا لَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوْسُفَ ' ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۖ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ (صحیح بخاری' تفسیر سورة یوسف) "اللہ کی قسم میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثال پاتی ہوں جس سے یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا تھا اور انہوں نے فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ کہہ کر صبر کا راستہ اختیار کیا تھا" یعنی میرے لیے بھی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

(۲) وارد' اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے کے لیے پانی وغیرہ کا انتظام کرنے کی غرض سے قافلے کے آگے آگے چلتا ہے۔ تاکہ مناسب جگہ دیکھ کر قافلے کو ٹھہرایا جا سکے۔ یہ وارد (قافلے کے لیے پانی لانے والا) جب کنویں پر آیا اور اپنا ڈول نیچے لٹکایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی پکڑ لی' وارد نے ایک خوش شکل بچہ دیکھا تو اسے اوپر کھینچ لیا اور بڑا خوش ہوا۔

(۳) بِضَاعَةً' سامان تجارت کو کہتے ہیں أَسَرُّوْهُ کا فاعل کون ہے؟ یعنی یوسف کو سامان تجارت سمجھ کر چھپانے والا کون ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے برادران یوسف علیہ السلام کو فاعل قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب ڈول کے ساتھ یوسف علیہ السلام بھی کنویں سے باہر نکل آئے تو وہاں یہ بھائی بھی موجود تھے' تاہم انہوں نے اصل حقیقت کو چھپائے رکھا' یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا بھائی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی قتل کے اندیشے سے اپنا بھائی ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ بھائیوں نے انہیں فروختنی قرار دیا تو خاموش رہے اور اپنا فروخت ہونا پسند کر لیا۔ چنانچہ اس وارد نے اہل قافلہ کو خوش خبری سنائی کہ ایک بچہ فروخت ہو رہا ہے۔ مگر یہ بات سیاق سے میل کھاتی نظر نہیں آتی۔ ان کے برخلاف امام شوکانی نے أَسَرُّوْهُ کا فاعل وارد اور اس کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے کہ انہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچہ کنویں سے نکلا ہے کیونکہ اس طرح تمام اہل قافلہ اس "سامان تجارت" میں شریک ہو جاتے بلکہ اہل قافلہ کو انہوں نے جا کر یہ بتلایا کہ کنویں کے مالکوں نے یہ بچہ ان کے سپرد کیا ہے تاکہ اسے وہ مصر جا کر بیچ دیں۔ مگر اقرب ترین بات یہ ہے کہ اہل قافلہ نے بچے کو سامان تجارت قرار دے کر چھپا لیا کہ کہیں اس کے عزیز و اقارب اس کی تلاش میں نہ آ پہنچیں۔ اور یوں لینے کے دینے پڑ جائیں کیونکہ بچہ ہونا اور کنویں میں پایا جانا' اس بات کی علامت ہے کہ وہ کہیں قریب ہی کا رہنے والا ہے اور کھیلتے کودتے آ گرا ہے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ

وہ کر رہے[1] تھے۔(۱۹)

اور انہوں[2] نے اسے بہت ہی ہلکی قیمت پر گنتی کے چند درہموں پر ہی بیچ ڈالا' وہ تو یوسف کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے۔[3] (۲۰)

مصر والوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی[4] سے کہا کہ اسے بہت عزت و احترام کے ساتھ رکھو' بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنا لیں' یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کا قدم جما[5] دیا' کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھا دیں۔ اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔(۲۱)

اور جب (یوسف) پختگی کی عمر کو پہنچ گئے ہم نے اسے

---

(۱) یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا تھا' اللہ کو اس کا علم تھا۔ لیکن اللہ نے یہ سب کچھ اس لیے ہونے دیا کہ تقدیر الٰہی بروئے کار آئے۔ علاوہ ازیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بتلا رہا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ یقیناً ایذا پہنچا رہے ہیں اور میں انہیں اس سے روکنے پر قادر بھی ہوں۔ لیکن میں اسی طرح انہیں مہلت دے رہا ہوں جس طرح برادران یوسف علیہ السلام کو مہلت دی تھی۔ اور پھر بالآخر میں نے یوسف علیہ السلام کو مصر کے تخت پر جا بٹھایا اور اس کے بھائیوں کو عاجز و لاچار کر کے اس کے دربار میں کھڑا کر دیا۔ اے پیغمبر! ایک وقت آئے گا کہ آپ بھی اسی طرح سرخرو ہوں گے اور یہ سرداران قریش آپ کے اشارۂ ابرو اور جنبش لب کے منتظر ہوں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وقت جلد ہی آ پہنچا۔

(۲) بھائیوں یا دوسری تفسیر کی رو سے اہل قافلہ نے بیچا۔

(۳) کیونکہ گری پڑی چیز انسان کو یوں ہی بغیر کسی محنت کے مل جاتی ہے' اس لیے چاہے وہ کتنی بھی قیمتی ہو' اس کی صحیح قدر و قیمت انسان پر واضح نہیں ہوتی۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ مصر پر اس وقت ریان بن ولید حکمران تھا' اور یہ عزیز مصر' جس نے یوسف علیہ السلام کو خریدا' اس کا وزیر خزانہ تھا' اس کی بیوی کا نام بعض نے راعیل اور بعض نے زلیخا بتلایا ہے' واللہ اعلم۔

(۵) یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے ظالم بھائیوں سے نجات دی' اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں ایک معقول اچھا ٹھکانہ عطا کیا۔

نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۲﴾

قوت فیصلہ اور علم دیا،[1] ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۲۲)

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾

اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھے، یوسف کو بہلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کہنے لگی لو آجاؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔[2] (۲۳)

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ

اس عورت نے یوسف کی طرف کا قصد کیا اور یوسف اس[3] کا قصد کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ

---

(۱) یعنی نبوت یا نبوت سے قبل کی دانائی اور قوت فیصلہ۔

(۲) یہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی، جس کو اس کے خاوند نے تاکید کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو اکرام و احترام کے ساتھ رکھے، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور انہیں دعوت گناہ دینے لگی، جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے ٹھکرا دیا۔

(۳) بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ﴿لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ﴾ کا تعلق ماقبل یعنی ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ سے نہیں بلکہ اس کا جواب محذوف ہے یعنی "لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ لَفَعَلَ مَاهَمَّ بِهِ" ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر یوسف علیہ السلام اللہ کی دلیل نہ دیکھتے تو جس چیز کا قصد کیا تھا وہ کر گزرتے۔ یہ ترجمہ اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے لَوْلَا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے قصد ہی نہیں کیا، ان مفسرین نے اسے عربی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کئے ہیں کہ قصد تو یوسف علیہ السلام نے بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو یہ اختیاری نہیں تھا بلکہ عزیز مصر کی بیوی کی ترغیب اور دباؤ اس میں شامل تھا۔ دوسرے، یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے خلاف نہیں ہے، اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے (فتح القدیر، ابن کثیر) مگر محققین اہل تفسیر نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یوسف علیہ السلام بھی اس کا قصد کر لیتے۔ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھے ہوتے۔ یعنی انہوں نے اپنے رب کی برہان دیکھ رکھی تھی۔ اس لیے عزیز مصر کی بیوی کا قصد ہی نہیں کیا۔ بلکہ دعوت گناہ ملتے ہی پکار اٹھے ﴿مَعَاذَ اللَّهِ﴾ الخ، البتہ قصد نہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ نفس میں ہیجان اور تحریک ہی پیدا نہیں ہوئی۔ ہیجان اور تحریک پیدا ہو جانا الگ بات ہے۔ اور قصد کر لینا الگ بات ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر سرے سے ہیجان اور تحریک ہی پیدا نہ ہو تو ایسے شخص کا گناہ سے بچ جانا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو تب ہی ہے کہ نفس کے اندر داعیہ اور تحریک پیدا ہو اور پھر انسان اس پر کنٹرول کرے اور گناہ سے بچ جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی کمال صبر و ضبط کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

دیکھتے،(۱) یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔(۲) بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔(۲۴)

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

دونوں دروازے کی طرف دوڑے(۳) اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا، تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اور کوئی دردناک سزا دی جائے۔(۴) (۲۵)

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ

یوسف نے کہا یہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی،(۵) اور عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے گواہی(۶) دی کہ

---

(۱) یہاں پہلی تفسیر کی بناء پر لَوْلَا کا جواب محذوف ہے 'لَفَعَلَ مَا هَمَّ بِهِ'، یعنی اگر یوسف علیہ السلام رب کی برہان نہ دیکھتے تو جو قصد کیا تھا، کر گزرتے۔ یہ برہان کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رب کی طرف سے کوئی ایسی چیز آپ کو دکھائی گئی کہ اسے دیکھ کر آپ نفس کے داعیئے کے دبانے اور رد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے۔

(۲) یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو برہان دکھا کر، برائی یا اس کے ارادے سے بچالیا، اسی طرح ہم نے اسے ہر معاملے میں برائی اور بے حیائی کی باتوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا۔ کیونکہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

(۳) جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عورت برائی کے ارتکاب پر مصر ہے، تو وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، یوسف علیہ السلام کے پیچھے انہیں پکڑنے کے لیے عورت بھی دوڑی۔ یوں دونوں دروازے کی طرف لپکے اور دوڑے۔

(۴) یعنی خاوند کو دیکھتے ہی خود معصوم بن گئی اور مجرم تمام تر یوسف علیہ السلام کو قرار دے کر ان کے لیے سزا بھی تجویز کر دی۔ حالانکہ صورت حال اس کے برعکس تھی، مجرم خود تھی جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ اور اس برائی سے بچنے کے خواہش مند اور اس کے لیے کوشاں تھے۔

(۵) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ عورت تمام الزام ان پر دھر رہی ہے تو صورت حال واضح کر دی اور کہا کہ مجھے برائی پر مجبور کرنے والی یہی ہے۔ میں اس سے بچنے کے لیے باہر دروازے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں۔

(۶) یہ انہی کے خاندان کا کوئی سمجھ دار آدمی تھا جس نے یہ فیصلہ کیا۔ فیصلے کو یہاں شہادت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، کیوں

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔(۲۶)

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے۔(۲۷)

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیٹھ کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم عورتوں کی چال بازی ہے' بیشک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے۔[1] (۲۸)

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـــِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

یوسف اب اس بات کو آئی جاتی کرو[2] اور (اے عورت) تو اپنے گناہ سے توبہ کر' بیشک تو گنہگاروں میں سے ہے۔[3] (۲۹)

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

اور شہر کی عورتوں میں چرچا ہونے لگا کہ عزیز کی بیوی اپنے (جوان) غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لیے بہلانے پھسلانے میں لگی رہتی ہے' ان کے دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے' ہمارے خیال میں تو وہ صریح گمراہی میں ہے۔[4] (۳۰)

کہ معاملہ ابھی تحقیق طلب تھا۔ شیر خوار بچے کی شہادت والی بات مستند روایات سے ثابت نہیں۔ صحیحین میں تین شیر خوار بچوں کے بات کرنے کی حدیث ہے جن میں یہ چوتھا نہیں ہے جس کا ذکر اس مقام پر کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ عزیز مصر کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی حرکت قبیحہ دیکھ کر عورتوں کی بابت کہا۔ یہ نہ اللہ کا قول ہے اور نہ ہر عورت کے بارے میں صحیح۔ اس لیے اسے ہر عورت پر چسپاں کرنا اور اس بنیاد پر عورت کو مکرو فریب کا پتلا باور کرانا' قرآن کا ہرگز منشا نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ اس جملے سے عورت کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں۔

(۲) یعنی اس کا چرچا مت کرو۔

(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی واضح ہو گئی تھی۔

(۴) جس طرح خوشبو کو پردوں سے چھپایا نہیں جا سکتا' عشق و محبت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ گو عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اسے نظرانداز کرنے کی تلقین کی اور یقیناً آپ کی زبان مبارک پر اس کا کبھی ذکر بھی نہیں آیا ہو گا' اس کے باوجود یہ واقعہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا اور زنان مصر میں اس کا چرچا عام ہو گیا' عورتیں تعجب کرنے لگیں کہ عشق کرنا ہی تھا تو کسی پیکر حسن و جمال سے کیا جاتا' یہ کیا اپنے ہی غلام پر زلیخا فریفتہ ہو گئی' یہ تو اس کی بہت ہی نادانی ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

اس نے جب ان کی اس پر فریب غیبت کا حال سنا تو انہیں بلوا بھیجا[۱] اور ان کے لیے ایک مجلس مرتب[۲] کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی۔ اور کہا اے یوسف! ان کے سامنے چلے آؤ'[۳] ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے'[۴] اور زبان سے نکل گیا کہ حاشاللہ! یہ انسان تو ہرگز نہیں' یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے۔[۵] (۳۱)

---

(۱) زنان مصر کی غائبانہ باتوں اور طعن و ملامت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے' جس کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ان عورتوں کو بھی یوسف کے بے مثال حسن و جمال کی اطلاعات پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ وہ اس پیکر حسن کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ وہ اپنے اس مکر (خفیہ تدبیر) میں کامیاب ہوگئیں اور امرأۃ العزیز نے یہ بتلانے کے لیے کہ میں جس پر فریفتہ ہوئی ہوں' محض ایک غلام یا عام آدمی نہیں ہے بلکہ ظاہر و باطن کے ایسے حسن سے آراستہ ہے کہ اسے دیکھ کر نقد دل و جان ہار جانا کوئی انہونی بات نہیں' ان عورتوں کی ضیافت کا اہتمام کیا اور انہیں دعوت طعام دی۔

(۲) یعنی ایسی نشست گاہیں بنائیں جن میں تکیے لگے ہوئے تھے' جیسا کہ آج کل بھی عربوں میں ایسی فرشی نشست گاہیں عام ہیں حتیٰ کہ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں بھی ان کا اہتمام ہے۔

(۳) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے چھپائے رکھا' جب سب عورتوں نے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ لیں تو امرأۃ العزیز (زلیخا) نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

(۴) یعنی حسن یوسف علیہ السلام کی جلوہ آرائی دیکھ کر ایک تو ان کی عظمت و جلال شان کا اعتراف کیا اور دوسرے' ان پر بے خودی و وارفتگی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ چھریاں اپنے ہی ہاتھوں پر چلالیں' جس سے ان کے ہاتھ زخمی اور خون آلودہ ہوگئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب الإیمان' باب الإسراء)

(۵) اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتے شکل و صورت میں انسان سے بہتر یا افضل ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کو تو انسانوں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انسان کے بارے میں تو اللہ تعالٰی نے خود قرآن کریم میں صراحت کی ہے کہ ہم نے اسے احسن تقویم (بہترین انداز) میں پیدا کیا ہے۔ ان عورتوں نے بشریت کی نفی محض اس لیے کی کہ انہوں نے حسن و جمال کا ایک ایسا پیکر دیکھا تھا جو انسانی شکل میں کبھی ان کی نظروں سے نہیں گزرا تھا اور انہوں نے فرشتہ اس لیے قرار دیا کہ عام انسان یہی سمجھتا ہے کہ فرشتے ذات و صفات کے لحاظ سے ایسی شکل رکھتے ہیں جو انسانی شکل سے بالاتر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیا کی غیر معمولی خصوصیات و امتیازات کی بناء پر انہیں انسانیت سے نکال کر نورانی مخلوق قرار دینا' ہر دور کے ایسے لوگوں کا شیوہ رہا ہے جو نبوت اور اس کے مقام سے ناآشنا ہوتے ہیں۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۳۲

اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا' یہی ہیں جن کے بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں'[1] میں نے ہرچند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا' اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بیشک یہ بہت ہی بے عزت ہو گا۔[2] (۳۲)

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۳

یوسف علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے' اگر تو نے ان کا فن فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں میں جاملوں گا۔[3] (۳۳)

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۴

اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ اس سے پھیر دیے' یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔(۳۴)

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۳۵ۧ

پھر ان تمام نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لیے قید

(۱) جب امرأة العزیز نے دیکھا کہ اس کی چال کامیاب رہی ہے اور عورتیں یوسف علیہ السلام کے جلوۂ حسن آراء سے مبہوت و مدہوش ہو گئیں تو کہنے لگی' کہ اس کی ایک جھلک سے تمہارا یہ حال ہو گیا ہے تو کیا تم اب بھی مجھے اس کی محبت میں گرفتار ہونے پر طعنہ زنی کرو گی؟ یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو۔

(۲) عورتوں کی یہ مدہوشی دیکھ کر اس کو مزید حوصلہ ہو گیا اور شرم و حیا کے سارے حجاب دور کر کے اس نے اپنے برے ارادے کا ایک مرتبہ پھر اظہار کیا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا اپنے دل میں کی۔ اس لیے کہ ایک مومن کے لیے دعا بھی ایک ہتھیار ہے۔ حدیث میں آتا ہے' سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے ایک ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال سے بھی آراستہ ہو اور جاہ و منصب کی بھی حامل ہو۔ لیکن وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو "اللہ سے ڈرتا ہوں"۔(صحیح بخاری۔ کتاب الأذان' باب من جلس في المسجد ينتظر الصلوة وفضل المساجد ومسلم' كتاب الزكوة باب فضل إخفاء الصدقة)

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۳۶

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۳۷

خانہ میں رکھیں۔[۱] (۳۵)

اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے' ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے' اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں' ہمیں آپ اس کی تعبیر بتایئے' ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔[۲] (۳۶)

یوسف نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا۔ یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے'[۳] میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی

(۱) عفت و پاک دامنی واضح ہو جانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کو حوالۂ زنداں کرنے میں یہی مصلحت ان کے پیش نظر ہو سکتی تھی کہ عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی بیوی سے دور رکھنا چاہتا ہو گا تاکہ وہ دوبارہ یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش نہ کرے جیساکہ وہ ایسا ارادہ رکھتی تھی۔

(۲) یہ دونوں نوجوان شاہی دربار سے متعلق تھے۔ ایک شراب پلانے پر مامور تھا اور دوسرا نان بائی تھا۔ کسی حرکت پر دونوں کو پس دیوار زنداں کر دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے' دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت تقویٰ و راست بازی اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے جیل میں دیگر تمام قیدیوں سے ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم اور ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھا تو قدرتی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف انہوں نے رجوع کیا اور کہا ہمیں آپ محسنین میں سے نظر آتے ہیں۔ ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتلائیں۔ محسن کے ایک معنی بعض نے یہ بھی کئے ہیں کہ خواب کی تعبیر آپ اچھی کر لیتے ہیں۔

(۳) یعنی میں جو تعبیر بتلاؤں گا' وہ کاہنوں اور نجومیوں کی طرح ظن و تخمین پر مبنی نہیں ہو گی' جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ بلکہ میری تعبیر یقینی علم پر مبنی ہو گی جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا کیا گیا ہے' جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔

منکر ہیں۔[۱] (۳۷)

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۸

میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں' یعنی ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کے دین کا'[۲] ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں'[۳] ہم پر اور تمام اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے' لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔(۳۸)

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹

اے میرے قید خانے کے ساتھیو![۴] کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟[۵] یا ایک اللہ زبردست طاقت ور؟(۳۹)

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی'[۶] فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے' اس کا

---

(۱) یہ الہام اور علم الٰہی (جن سے آپ کو نوازا گیا) کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے' اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات مجھ پر ہوئے۔

(۲) اجداد کو بھی آباء کہا' اس لیے کہ وہ بھی آباء ہی ہیں۔ پھر ترتیب میں بھی جد اعلیٰ (ابراہیم علیہ السلام) پھر جد اقرب (اسحاق علیہ السلام) اور پھر باپ (یعقوب علیہ السلام) کا ذکر کیا۔ یعنی پہلے' پہلی اصل' پھر دوسری اصل اور پھر تیسری اصل بیان کی۔

(۳) وہی توحید کی دعوت اور شرک کی تردید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین تعلیم اور دعوت ہوتی تھی۔

(۴) قید خانے کے ساتھی' اس لیے قرار دیا کہ یہ سب ایک عرصے سے جیل میں محبوس چلے آ رہے تھے۔

(۵) تفرق ذوات' صفات اور عدد کے لحاظ سے ہے۔ یعنی وہ رب' جو ذات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفرق' صفات میں ایک دوسرے سے مختلف ---- اور تعداد میں باہم متنافی ہیں۔ وہ بہتر ہیں یا وہ اللہ' جو اپنی ذات و صفات میں متفرد ہے' جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمران ہے؟

(۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا نام معبود تم نے خود ہی رکھ لیا ہے' دراں حالیکہ وہ معبود ہیں نہ ان کی بابت کوئی دلیل اللہ نے اتاری ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان معبودوں کے جو مختلف نام تم نے تجویز کر رکھے ہیں' مثلاً خواجہ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾

فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست [1] ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [2] (۴۰)

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ۭ

اے میرے قید خانے کے رفیقو! [3] تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا، [4] لیکن دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کھائیں گے، [5] تم دونوں جس کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔ [6] (۴۱)

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ

اور جس کی نسبت یوسف کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا، پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے

غریب نواز، گنج بخش، کرنی والا، کرماں والا وغیرہ یہ سب تمہارے خود ساختہ ہیں، ان کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔

(۱) یہی دین، جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، درست اور قیم ہے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

(۲) جس کی وجہ سے اکثر لوگ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ (سورۃ یوسف-۱۰۶) ''ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں''۔ اور فرمایا ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (سورۃ یوسف - ۱۰۳) ''اے پیغمبر تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں''۔

(۳) توحید کا وعظ کرنے کے بعد اب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بیان فرما رہے ہیں۔

(۴) یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے کو انگور کا شیرہ تیار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ تاہم آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین نہیں کی تاکہ مرنے والا پہلے ہی غم و حزن میں مبتلا نہ ہو جائے۔

(۵) یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے سر پر خواب میں روٹیاں اٹھائے دیکھا تھا۔

(۶) یعنی تقدیر الٰہی میں پہلے سے یہ بات ثبت ہے اور جو تعبیر میں نے بتلائی ہے، لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''خواب، جب تک اس کی تعبیر نہ کی جائے، پرندے کے پاؤں پر ہے۔ جب اس کی تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے''۔ (مسند أحمد، بحوالہ ابن کثیر)

بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾

ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف نے کئی سال قید خانے میں ہی کاٹے۔ (۱) (۴۲)

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

بادشاہ نے کہا' میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی فربہ گائیں ہیں جن کو سات لاغر دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں ہری ہری اور دوسری سات بالکل خشک۔ اے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو۔ (۴۳)

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو اڑتے اڑاتے پریشان خواب ہیں اور ایسے شوریدہ پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے ہم نہیں۔ (۲) (۴۴)

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا اسے مدت کے بعد یاد آگیا اور کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔ (۳) (۴۵)

---

(۱) بِضْعَ کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے عدد کے لیے بولا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام آزمائش میں اور یوسف علیہ السلام قید خانے میں سات سال رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال رہا۔ اور بعض کے نزدیک بارہ سال اور بعض کے نزدیک چودہ سال قید خانے میں رہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) اَضْغَاثٌ ضِغْثٌ کی جمع ہے جس کے معنی گھاس کے گٹھے کے ہیں۔ اَحْلَام حِلْمٌ (بمعنی خواب) کی جمع ہے۔ اضغاث احلام کے معنی ہوں گے خواب ہائے پریشان' یا خیالات منتشرہ' جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ یہ خواب اس بادشاہ کو آیا' عزیز مصر جس کا وزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس خواب کے ذریعے سے یوسف علیہ السلام کی رہائی عمل میں لانی تھی۔ چنانچہ بادشاہ کے درباریوں' کاہنوں اور نجومیوں نے اس خواب پریشاں کی تعبیر بتلانے سے عجز کا اظہار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نجومیوں کے اس قول کا مطلب مطلقاً علم تعبیر کی نفی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ علم تعبیر سے وہ بے خبر نہیں تھے نہ اس کی انہوں نے نفی کی' انہوں نے صرف اس خواب کی تعبیر بتلانے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

(۳) یہ قید کے دو ساتھیوں میں سے ایک نجات پانے والا تھا' جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا' تاکہ میری بھی رہائی کی صورت بن سکے۔ اسے اچانک یاد آیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دو' میں تمہیں آکر

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ
يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ
يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۶﴾

اے یوسف! اے بہت بڑے سچے یوسف! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بھی بالکل خشک ہیں' تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ سب جان لیں۔(۴۶)

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ
فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۴۷﴾

یوسف نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے لگاتار حسب عادت غلہ بویا کرنا' اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے۔(۴۷)

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ
إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿۴۸﴾

اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے' جو تم نے ان کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا' (۱) سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم روک رکھتے ہو۔ (۲) (۴۸)

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ
يَعْصِرُونَ ﴿۴۹﴾

اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس میں (شیرۂ انگور بھی) خوب

اس کی تعبیر بتلاتا ہوں۔ چنانچہ وہ نکل کر سیدھا یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا' اور خواب کی تفصیل بتلا کر اس کی تعبیر کی بابت پوچھا۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر سے بھی نوازا تھا۔ اس لیے وہ اس خواب کی تہ تک فوراً پہنچ گئے۔ انہوں نے موٹی تازہ سات گایوں سے ایسے سات سال مراد لیے جن میں خوب پیداوار ہو گی' اور سات دبلی پتلی گایوں سے اس کے برعکس سات سال خشک سالی کے۔ اسی طرح سات سبز خوشوں سے مراد لیا کہ زمین خوب پیداوار دے گی اور سات خشک خوشوں کا مطلب یہ ہے کہ ان سات سالوں میں زمین کی پیداوار نہیں ہو گی۔ اور پھر اس کے لیے تدبیر بھی بتلائی کہ سات سال تم متواتر کاشتکاری کرو اور جو غلہ تیار ہو' اسے کاٹ کر بالیوں سمیت ہی سنبھال کر رکھو تاکہ ان میں غلہ زیادہ محفوظ رہے' پھر جب سات سال قحط کے آئیں گے تو یہ غلہ تمہارے کام آئے گا جس کا ذخیرہ تم اب کرو گے۔

(۲) مِمَّا تُحْصِنُونَ سے مراد وہ دانے ہیں جو دوبارہ کاشت کے لیے محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝۵۰

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱

نچوڑیں گے۔[۱] (۴۹)

اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لاؤ'[۲] جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا' اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے[۳] تھے؟ ان کے حیلے کو (صحیح طور پر) جاننے والا میرا پروردگار ہی ہے۔(۵۰)

بادشاہ نے پوچھا اے عورتو! اس وقت کا صحیح واقعہ کیا ہے جب تم داؤ فریب کر کے یوسف کو اس کی دلی منشا سے بہکانا چاہتی تھیں' انہوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں[۴] پائی' پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو سچی بات نتھر آئی۔ میں نے ہی اسے ورغلایا تھا' اس کے جی سے' اور یقیناً وہ سچوں میں

---

(۱) یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد پھر خوب بارش ہوگی' جس کے نتیجے میں کثرت سے پیداوار ہوگی اور تم انگوروں سے اس کا شیرہ نچوڑو گے' زیتون سے تیل نکالو گے اور جانوروں سے دودھ دوہو گے۔ خواب کی اس تعبیر کو خواب سے کیسی لطیف مناسبت حاصل ہے' جسے صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسا صحیح وجدان' ذوق سلیم اور ملکۂ راسخہ عطا فرمادے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص تعبیر دریافت کر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اسے تعبیر بتلائی تو وہ اس تعبیر سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بتلائی ہوئی تدبیر سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے یہ اندازہ لگالیا کہ یہ شخص' جسے ایک عرصے سے حوالۂ زنداں کیا ہوا ہے' غیر معمولی علم و فضل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ اب مائل بہ کرم ہے' تو انہوں نے اس طرح محض عنایت خسروانہ سے جیل سے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا' بلکہ اپنے کردار کی رفعت اور پاک دامنی کے اثبات کو ترجیح دی تاکہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح ہو جائے۔ کیونکہ داعی الی اللہ کے لیے یہ عفت و پاک بازی اور رفعت کردار بہت ضروری ہے۔

(۴) بادشاہ کے استفسار پر تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اعتراف کیا۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

سے ہے۔[1] (۵۱)

(یوسف علیہ السلام نے کہا) یہ اس واسطے کہ (عزیز) جان لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی[2] اور یہ بھی کہ اللہ دغابازوں کے ہتھکنڈے چلنے نہیں دیتا۔[3] (۵۲)

---

(۱) اب امرأۃ العزیز (زلیخا) کے لیے بھی یہ اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہے اور یہ پیش دستی میری ہی طرف سے ہوئی تھی' اس فرشتہ صفت انسان کا اس لغزش سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) جب جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ ساری تفصیل بتلائی گئی تو اسے سن کر یوسف علیہ السلام نے یہ کہا اور بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس جا کر انہوں نے یہ کہا اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ بھی زلیخا کا ہی قول ہے اور مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بھی اسے غلط طور پر متہم کر کے خیانت کا ارتکاب نہیں کرتی بلکہ امانت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں' یا یہ مطلب ہے کہ میں نے اپنے خاوند کی خیانت نہیں کی اور کسی بڑے گناہ میں واقع نہیں ہوئی۔ امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

(۳) کہ وہ اپنے مکرو فریب میں ہمیشہ کامیاب ہی رہیں۔ بلکہ ان کا اثر محدود اور عارضی ہوتا ہے۔ بالآخر جیت حق اور اہل حق ہی کی ہوتی ہے' گو عارضی طور پر اہل حق کو آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔ (۱) بیشک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے' (۲) مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے' (۳) یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔(۵۳)

وَقَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کرلوں' (۴) پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں۔ (۵) (۵۴)

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾

(یوسف نے) کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردیجئے' (۶)

---

(۱) اسے اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا قول تسلیم کیا جائے تو بطور کسر نفسی کے ہے' ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی پاک دامنی ہر طرح سے ثابت ہو چکی تھی۔ اور اگر یہ عزیزۂ مصر کا قول ہے (جیسا کہ امام ابن کثیر کا خیال ہے) تو یہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اور یوسف علیہ السلام کو بہلانے اور پھسلانے کا اعتراف کرلیا۔

(۲) یہ اس نے اپنی غلطی کی توجیہ یا اس کی علت بیان کی کہ انسان کا نفس ہی ایسا ہے کہ اسے برائی پر ابھارتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔

(۳) یعنی نفس کی شرارتوں سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔

(۴) جب بادشاہ (ریان بن ولید) پر یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کے ساتھ ان کے کردار کی رفعت اور پاک دامنی بھی واضح ہو گئی' تو اس نے حکم دیا کہ انہیں میرے سامنے پیش کرو' میں انہیں اپنے لیے منتخب کرنا یعنی اپنا مصاحب اور مشیر خاص بنانا چاہتا ہوں۔

(۵) مَكِيْنٌ مرتبہ والا' اَمِيْنٌ رموز مملکت کا رازدان۔

(۶) خَزَائِنُ - خِزَانَةٌ کی جمع ہے۔ خزانہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ زمین کے خزانوں سے مراد وہ گودام ہیں جہاں غلہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش اس لیے ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں (خواب کی تعبیر کی رو سے) جو قحط سالی کے ایام آنے والے ہیں' اس سے نمٹنے کے لیے مناسب انتظامات کئے جا سکیں اور غلے کی معقول مقدار بچا کر رکھی جا سکے۔ عام حالات میں اگرچہ عہدہ و منصب کی طلب جائز نہیں ہے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اقدام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات درپیش ہیں اور ان سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں' تو وہ اپنی

میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔[1] (۵۵)

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

اسی طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک کا قبضہ دے دیا۔ کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے،[2] ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔[3] (۵۶)

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾

یقیناً ایمان داروں اور پرہیزگاروں کا اخروی اجر بہت ہی بہتر ہے۔ (۵۷)

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُونَ ﴿٥٨﴾

یوسف کے بھائی آئے اور یوسف کے پاس گئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے اسے نہ پہچانا۔[4] (۵۸)

اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام نے تو سرے سے عہدہ و منصب طلب ہی نہیں کیا' البتہ جب بادشاہ مصر نے انہیں اس کی پیشکش کی تو پھر ایسے عہدے کی خواہش کی جس میں انہوں نے ملک اور قوم کی خدمت کا پہلو نمایاں دیکھا۔

(۱) حَفِيظٌ میں اس کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ اسے کسی بھی غیر ضروری مصرف میں خرچ نہیں کروں گا' عَلِيمٌ اس کو جمع کرنے اور خرچ کرنے اور اس کے رکھنے اور نکالنے کا بخوبی علم رکھتا ہوں۔

(۲) یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں ایسی قدرت و طاقت عطا کی کہ بادشاہ وہی کچھ کرتا جس کا حکم حضرت یوسف علیہ السلام کرتے' اور سرزمین مصر میں اس طرح تصرف کرتے جس طرح انسان اپنے گھر میں کرتا ہے اور جہاں چاہتے' وہ رہتے' پورا مصر ان کے زیر نگین تھا۔

(۳) یہ گویا اجر تھا ان کے اس صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انہوں نے کیا اور اس ثابت قدمی کا جو زلیخا کی دعوت گناہ کے مقابلے میں اختیار کی اور اس اولوالعزمی کا جو قید خانے کی زندگی میں اپنائے رکھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ منصب وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ عزیز مصر فائز تھا' جس کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی مذموم سعی کی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض نے یہ کہا ہے کہ عزیز مصر' جس کا نام اطفیر تھا' فوت ہو گیا تو اس کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہو گیا اور دو بچے بھی ہوئے' ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام میشا تھا' افرائیم ہی یوشع بن نون اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی رحمت کے والد تھے۔ (تفسیر ابن کثیر) لیکن یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں اس لیے نکاح والی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس عورت سے جس کردار کا مظاہرہ ہوا' اس کے ہوتے ہوئے ایک نبی کے حرم سے اس کی وابستگی' نہایت نامناسب بات لگتی ہے۔

(۴) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خوش حالی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط سالی شروع ہو گئی جس نے ملک مصر

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾

جب انہیں ان کا اسباب مہیا کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے ‘ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں۔[۱] (۵۹)

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾

پس اگر تم اسے لے کر پاس نہ آئے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ناپ بھی نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔[۲] (۶۰)

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

انہوں نے کہا اچھا ہم اس کے باپ کو اس کی بابت پھسلائیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔[۳] (۶۱)

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

اپنے خدمت گاروں سے کہا کہ[۴] ان کی پونجی انہی کی

کے تمام علاقوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ‘ حتیٰ کہ کنعان تک بھی اس کے اثرات جا پہنچے ‘ جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی رہائش پذیر تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حسن تدبیر سے اس قحط سالی سے نمٹنے کے جو انتظامات کیے تھے ‘ وہ کام آئے اور ہر طرف سے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے کے لیے آرہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ شہرت کنعان تک بھی پہنچی کہ مصر کا بادشاہ اس طرح غلہ فروخت کر رہا ہے۔ چنانچہ باپ کے حکم پر یہ برادران یوسف علیہ السلام بھی گھر کی پونجی لے کر غلے کے حصول کے لیے دربار شاہی میں پہنچ گئے ‘ جہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ جنہیں یہ بھائی تو نہ پہچان سکے لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر جب اپنے بھائیوں سے باتیں پوچھیں تو انہوں نے جہاں اور سب کچھ بتایا ‘ یہ بھی بتا دیا کہ ہم دس بھائی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے دو علاتی بھائی (یعنی دوسری ماں سے) اور بھی ہیں ‘ ان میں سے ایک تو جنگل میں ہلاک ہو گیا اور اس کے دوسرے بھائی کو والد نے اپنی تسلی کے لیے اپنے پاس رکھا ہے ‘ اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ جس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آئندہ اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ دیکھتے نہیں کہ میں ناپ بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی اور خاطر مدارت بھی خوب کرتا ہوں۔

(۲) ترغیب کے ساتھ یہ دھمکی ہے کہ اگر گیارہویں بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ تمہیں غلہ ملے گا نہ میری طرف سے اس خاطر مدارات کا اہتمام ہو گا۔

(۳) یعنی ہم اپنے باپ کو اس بھائی کو لانے کے لیے پھسلائیں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے۔

(۴) فِتْيَانٌ (نوجوانوں) سے مراد یہاں وہ نوکر چاکر اور خادم و غلام ہیں جو دربار شاہی میں مامور تھے۔

يَعۡرِفُونَهَآ إِذَا ٱنقَلَبُوٓاْ إِلَىٰٓ أَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُونَ ﴿٦٢﴾

بوریوں میں رکھ دو[1] کہ جب لوٹ کر اپنے اہل و عیال میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔ (۶۲)

فَلَمَّا رَجَعُوٓاْ إِلَىٰٓ أَبِيهِمۡ قَالُواْ يَـٰٓأَبَانَا مُنِعَ مِنَّا ٱلۡكَيۡلُ فَأَرۡسِلۡ مَعَنَآ أَخَانَا نَكۡتَلۡ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ﴿٦٣﴾

جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ ہم سے تو غلہ کا ناپ روک لیا گیا۔[2] اب آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے کہ ہم پیمانہ بھر کر لائیں ہم اس کی نگہبانی کے ذمہ دار ہیں۔ (۶۳)

قَالَ هَلۡ ءَامَنُكُمۡ عَلَيۡهِ إِلَّا كَمَآ أَمِنتُكُمۡ عَلَىٰٓ أَخِيهِ مِن قَبۡلُ فَٱللَّهُ خَيۡرٌ حَـٰفِظًا وَهُوَ أَرۡحَمُ ٱلرَّـٰحِمِينَ ﴿٦٤﴾

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ مجھے تو اس کی بابت تمہارا بس ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا'[3] بس اللہ ہی بہترین حافظ ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔[4] (۶۴)

وَلَمَّا فَتَحُواْ مَتَـٰعَهُمۡ وَجَدُواْ بِضَـٰعَتَهُمۡ رُدَّتۡ إِلَيۡهِمۡ قَالُواْ يَـٰٓأَبَانَا مَا نَبۡغِي هَـٰذِهِۦ بِضَـٰعَتُنَا رُدَّتۡ إِلَيۡنَا وَنَمِيرُ

جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو اپنا سرمایہ موجود پایا جو ان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے اے ہمارے باپ ہمیں اور کیا چاہیے۔[5] دیکھئے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں

---

(۱) اس سے مراد وہ پونجی ہے جو غلہ خریدنے کے لیے برادران یوسف علیہ السلام ساتھ لائے تھے رِحَالٌ (کجاوے) سے مراد ان کا سامان ہے۔ پونجی' چپکے سے ان کے سامانوں میں اس لیے رکھوا دی کہ ممکن ہے دوبارہ آنے کے لیے ان کے پاس مزید پونجی نہ ہو تو یہی پونجی لے کر آجائیں۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے لیے غلہ بنیامین کے بھیجنے کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ ساتھ نہیں جائے گا تو غلہ نہیں ملے گا۔ اس لیے اسے ضرور ساتھ بھیجیں تاکہ ہمیں دوبارہ بھی اسی طرح غلہ مل سکے' جس طرح اس دفعہ ملا ہے۔ اور اس طرح کا اندیشہ نہ کریں جو یوسف علیہ السلام کو بھیجتے ہوئے کیا تھا' ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

(۳) یعنی تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاتے وقت اسی طرح حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن جو کچھ ہوا' وہ سامنے ہے۔ اب میں تمہارا کس طرح اعتبار کروں؟

(۴) تاہم چونکہ غلے کی ضرورت شدید تھی' اس لیے اندیشے کے باوجود بنیامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار مناسب نہیں سمجھا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے بھیجنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

(۵) یعنی بادشاہ کے اس حسن سلوک کے بعد' کہ اس نے ہماری خاطر تواضع بھی خوب کی اور ہماری پونجی بھی واپس کر دی' اور ہمیں کیا چاہیے؟

اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کو رسد لا دیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لائیں گے۔[۱] یہ ناپ تو بہت آسان ہے۔[۲] (۶۵)

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾

یعقوب (علیہ السلام) نے کہا! میں تو اسے ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس پہنچا دو گے' سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ۔[۳] جب انہوں نے پکا قول قرار دے دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔(۶۶)

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۚ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اور (یعقوب علیہ السلام) نے کہا اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے نہ جانا بلکہ کئی جدا جدا دروازوں میں سے داخل ہونا۔[۴] میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی

---

(۱) کیونکہ فی کس ایک اونٹ جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا' غلہ دیا جاتا تھا' بنیامین کی وجہ سے ایک اونٹ کے بوجھ بھر غلہ مزید ملتا۔

(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بادشاہ کے لئے ایک بار شتر غلہ کوئی مشکل بات نہیں ہے' آسان ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ذٰلِكَ کا اشارہ اس غلے کی طرف ہے جو ساتھ لائے تھے اور يَسِيْرٌ بمعنی قَلِيْلٍ ہے۔ یعنی جو غلہ ہم ساتھ لائے ہیں' قلیل ہے' بنیامین کے ساتھ جانے سے ہمیں کچھ غلہ اور مل جائے گا تو اچھی ہی بات ہے' ہماری ضرورت زیادہ بہتر طریقے سے پوری ہو سکے گی۔

(۳) یعنی تمہیں اجتماعی مصیبت پیش آجائے یا تم سب ہلاک یا گرفتار ہو جاؤ' جس سے خلاصی پر تم قادر نہ ہو' تو اور بات ہے' اس صورت میں تم معذور ہو گے۔

(۴) جب بنیامین سمیت' گیارہ بھائی مصر جانے لگے' تو یہ ہدایت دی' کیونکہ ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے' جو قدو قامت اور شکل و صورت میں بھی ممتاز ہوں' جب اکٹھے ایک ہی جگہ یا ایک ساتھ کہیں سے گزریں تو عموماً انہیں لوگ تعجب یا حسد کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہی چیز نظر لگنے کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ انہیں نظر بد سے بچانے کے لیے بطور تدبیر یہ حکم دیا۔ "نظر کا لگ جانا حق ہے"۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً اَلْعَيْنُ حَقٌّ "نظر کا لگ جانا حق ہے"۔ صحیح بخاری' کتاب الطب' باب العین حق۔ وصحیح مسلم' کتاب السلام' باب الطب والمرض والرقی) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بد سے بچنے کے لیے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے ہیں۔ مثلاً فرمایا کہ

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔[۱] میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔(۶۷)

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

جب وہ انہی راستوں سے جن کا حکم ان کے والد نے انہیں دیا تھا' گئے۔ کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے وہ اس سے انہیں ذرا بھی بچا لے۔ مگر یعقوب (علیہ السلام) کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) جسے اس نے پورا کر لیا'[۲] بلاشبہ وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[۳] (۶۸)

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

یہ سب جب یوسف کے پاس پہنچ گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھالیا اور کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں' پس یہ جو کچھ کرتے رہے اس کا کچھ رنج نہ کر۔[۴] (۶۹)

جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو «بَارَكَ اللّٰهُ» کہو۔ (موطا إمام مالك' باب الوضوء من العين۔ تعليقات مشكوٰة' ألباني۔ نمبر ۱۲۸۶) جس کی نظر لگے' اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا یہ پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو' (حوالہ مذکور) اسی طرح ﴿ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ پڑھنا قرآن سے ثابت ہے' (سورۂ کہف -۳۹) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ نظر کے لیے بطور دم پڑھنا چاہئے۔ (جامع ترمذی أبواب الطب' باب ماجاء في الرقية بالمعوذتين)

(۱) یعنی یہ تاکید بطور ظاہری اسباب' احتیاط اور تدبیر کے ہے جسے اختیار کرنے کا انسانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ تاہم اس سے اللہ تعالٰی کی تقدیر و قضا میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ ہو گا وہی' جو اس کی قضا کے مطابق اس کا حکم ہو گا۔

(۲) یعنی اس تدبیر سے اللہ کی تقدیر کو ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام کے جی میں جو (نظر بد لگ جانے کا) اندیشہ تھا' اس کے پیش نظر انہوں نے ایسا کہا۔

(۳) یعنی یہ تدبیر وحی الٰہی کی روشنی میں تھی اور یہ عقیدہ بھی کہ حذر (احتیاطی تدبیر) قدر کو نہیں بدل سکتی' اللہ تعالٰی کے سکھلائے ہوئے علم پر مبنی تھا' جس سے اکثر لوگ بے بہرہ ہیں۔

(۴) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دو دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ یوں بنیامین جب اکیلے رہ گئے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں تنہا الگ ایک کمرے میں رکھا اور پھر خلوت میں ان سے باتیں کیں اور انہیں پچھلی باتیں بتلا کر کہا کہ ان بھائیوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا' اس پر رنج نہ کر اور بعض کہتے ہیں کہ بنیامین کو روکنے کے لیے جو حیلہ اختیار کرنا تھا' اس سے بھی انہیں آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔ (ابن کثیر)

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾

پھر جب انہیں ان کا سامان اسباب ٹھیک ٹھاک کر کے دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پانی پینے کا پیالہ[۱] رکھ دیا۔ پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے[۲] والو! تم لوگ تو چور ہو۔[۳] (۷۰)

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

انہوں نے ان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ تمہاری کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ (۷۱)

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

جواب دیا کہ شاہی پیمانہ گم ہے جو اسے لے آئے اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا۔ اس وعدے کا میں ضامن ہوں۔[۴] (۷۲)

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں۔[۵] (۷۳)

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

انہوں نے کہا اچھا چور کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہو؟[۶] (۷۴)

---

(۱) مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ سقایہ (پانی پینے کا برتن) سونے یا چاندی کا تھا' پانی پینے کے علاوہ غلہ ناپنے کا کام بھی اس سے لیا جاتا تھا۔ اسے چپکے سے بنیامین کے سامان میں رکھ دیا گیا۔

(۲) اَلْعِیر اصلاً ان اونٹوں' گدھوں یا خچر کو کہا جاتا ہے جن پر غلہ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔ یہاں مراد اصحاب العیر یعنی قافلے والے ہیں۔

(۳) چوری کی یہ نسبت اپنی جگہ صحیح تھی کیونکہ منادی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس سوچے سمجھے منصوبے سے آگاہ نہیں تھا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا حال تو چوروں کا سا ہے کہ بادشاہ کا پیالہ' بادشاہ کی رضامندی کے بغیر تمہارے سامان کے اندر ہے۔

(۴) یعنی میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تفتیش سے قبل ہی جو شخص یہ جام شاہی ہمارے حوالے کر دے گا تو اسے انعام یا اجرت کے طور پر اتنا غلہ دیا جائے گا جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔

(۵) برادران یوسف علیہ السلام چونکہ اس منصوبے سے بے خبر تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے تیار کیا تھا' اس لیے قسم کھا کر انہوں نے اپنے چور ہونے کی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی نفی کی۔

(۶) یعنی اگر تمہارے سامان میں وہ شاہی پیالہ مل گیا تو پھر اس کی کیا سزا ہو گی؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾

جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں سے پایا جائے وہی اس کا بدلہ ہے۔[1] ہم تو ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔[2] (۷۵)

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾

پس یوسف نے ان کے سامان کی تلاش شروع کی، اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، پھر اس پیمانہ کو اپنے بھائی کے سامان (زنبیل) سے نکالا۔[3] ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔[4] اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا[5] مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیں،[6] ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔[7] (۷۶)

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ

انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔[8]

---

(۱) یعنی چور کو کچھ عرصے کے لیے اس شخص کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ جس کی اس نے چوری کی ہوتی تھی۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں سزا تھی، جس کے مطابق یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سزا تجویز کی۔

(۲) یہ قول بھی برادران یوسف علیہ السلام ہی کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کے مصاحبین کا قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم بھی ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ لیکن آیت کا اگلا ٹکڑا کہ "بادشاہ کے دین میں وہ اپنے بھائی کو پکڑ نہ سکتے تھے" اس قول کی نفی کرتا ہے۔

(۳) پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی، آخر میں بنیامین کا سامان دیکھا تاکہ انہیں شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔

(۴) یعنی ہم نے وحی کے ذریعے سے یوسف علیہ السلام کو یہ تدبیر سمجھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیلہ اور کید کی ہو، جائز ہے بشرطیکہ وہ طریقہ کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی بادشاہ کا مصر میں جو قانون اور دستور رائج تھا، اس کی رو سے بنیامین کو اس طرح روکنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اہل قافلہ سے ہی پوچھا کہ بتلاؤ! اس جرم کی کیا سزا ہو؟

(۶) جس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنی عنایات اور مہربانیوں سے بلند مرتبہ عطا کیا۔

(۷) یعنی ہر عالم سے بڑھ کر کوئی نہ کوئی عالم ہوتا ہے اس لیے کوئی صاحب علم اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو کہ میں ہی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

(۸) یہ انہوں نے اپنی پاکیزگی و شرافت کے اظہار کے لیے کہا۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین، ان کے سگے

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا۔ کہا کہ تم بدتر جگہ میں ہو[1] اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ (۷۷)

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

انہوں نے کہا کہ اے عزیز مصر![2] اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔[3] (۷۸)

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

یوسف (علیہ السلام) نے کہا ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔[4] (۷۹)

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۗ قَالَ كَبِيْرُهُمْ

جب یہ اس سے مایوس ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔[5] ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا

اور حقیقی بھائی نہیں تھے، علاتی بھائی تھے۔ بعض مفسرین نے یوسف علیہ السلام کی چوری کے لیے دوراز کار باتیں نقل کی ہیں جو کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے کو تو نہایت بااخلاق اور باکردار باور کرایا اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو کمزور کردار کا اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے، انہیں چور اور بے ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کی طرف چوری کے انتساب میں صریح کذب بیانی کا ارتکاب کیا۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر اس لیے کہا کہ اس وقت اصل اختیارات حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے پاس تھے، بادشاہ صرف برائے نام ہی فرماں روائے مصر تھا۔

(۳) باپ تو یقیناً بوڑھے ہی تھے، لیکن یہاں ان کا اصل مقصد بنیامین کو چھڑانا تھا۔ ان کے ذہن میں وہی یوسف علیہ السلام والی بات تھی کہ کہیں ہمیں پھر دوبارہ بنیامین کے بغیر باپ کے پاس نہ جانا پڑے اور باپ ہم سے کہیں کہ تم نے میرے بنیامین کو بھی یوسف علیہ السلام کی طرح کہیں گم کر دیا۔ اس لیے یوسف علیہ السلام کے احسانات کے حوالے سے یہ بات کی کہ شاید وہ یہ احسان بھی کر دیں کہ بنیامین کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ لیں۔

(۴) یہ جواب اس لیے دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اصل مقصد تو بنیامین ہی کو روکنا تھا۔

(۵) کیونکہ بنیامین کو چھوڑ کر جانا، ان کے لیے نہایت کٹھن مرحلہ تھا، وہ باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ اس

اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٠﴾

تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ قول قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم کوتاہی کر چکے ہو۔ پس میں تو اس سرزمین سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دیں[1] یا اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے، وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔[2] (۸۰)

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾

تم سب والد صاحب کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ اباجی! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہم جانتے تھے۔[3] ہم کچھ غیب کی حفاظت کرنے والے نہ تھے۔[4] (۸۱)

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرما لیں جہاں ہم تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں۔[5] (۸۲)

لیے باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟

(۱) اس بڑے بھائی نے اس صورت حال میں باپ کا سامنے کرنے کی اپنے اندر سکت اور ہمت نہیں پائی، تو صاف کہہ دیا کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک خود والد صاحب تفتیش کر کے میری بے گناہی کا یقین نہ کر لیں اور مجھے آنے کی اجازت نہ دیں۔

(۲) اللہ میرے لیے معاملہ فیصل کر دے۔ کا مطلب یہ ہے کہ کسی طرح یوسف علیہ السلام (عزیز مصر) بنیامین کو چھوڑ دے اور میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دے، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت عطا کر دے کہ میں بنیامین کو تلوار یعنی طاقت کے ذریعے سے چھڑوا کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔

(۳) یعنی ہم نے جو عہد کیا تھا کہ ہم بنیامین کو بہ حفاظت واپس لے آئیں گے، تو یہ ہم نے اپنے علم کے مطابق عہد کیا تھا، بعد میں جو واقعہ پیش آگیا اور جس کی وجہ سے بنیامین کو ہمیں چھوڑنا پڑا، یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم نے چوری کی جو سزا بیان کی تھی کہ چور کو ہی چوری کے بدلے میں رکھ لیا جائے، تو یہ سزا ہم نے اپنے علم کے مطابق ہی تجویز کی تھی، اس میں کسی قسم کی بدنیتی شامل نہیں تھی۔ لیکن پھر یہ اتفاق کی بات تھی کہ جب سامان کی تلاشی لی گئی تو مسروقہ کٹورا بنیامین کے سامان سے نکل آیا۔

(۴) یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے ہم بے خبر تھے۔

(۵) اَلْقَرْيَةَ سے مراد مصر ہے، جہاں وہ غلہ لینے گئے تھے، مطلب اہل مصر ہیں۔ اسی طرح وَالْعِيْرَ سے مراد اصحاب العیر یعنی

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا یہ تو نہیں' بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنالی[1] پس اب صبر ہی بہتر ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس ہی پہنچادے۔[2] وہ ہی علم و حکمت والا ہے۔(۸۳)

وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾

پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف![3] ان کی آنکھیں بوجہ رنج و غم کے سفید ہو چکی تھیں[4] اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔(۸۴)

قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿٨٥﴾

بیٹوں نے کہا واللہ! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد ہی میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں۔[5] (۸۵)

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

انہوں نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں' مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں

اہل قافلہ ہیں۔ آپ مصر جا کر اہل مصر سے اور اس قافلے والوں سے' جو ہمارے ساتھ آیا ہے' پوچھ لیں کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں' وہ سچ ہے' اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام چونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی وحی کے ذریعے سے انہیں حقیقت واقعہ سے آگاہ نہیں فرمایا۔ اس لیے وہ یہی سمجھے کہ میرے ان بیٹوں نے جس طرح اس سے قبل یوسف علیہ السلام کے معاملے میں اپنی طرف سے بات گھڑ کر بیان کی تھی' اب پھر اسی طرح انہوں نے اپنی طرف سے بات بنالی ہے۔ بنیامین کے ساتھ انہوں نے کیا معاملہ کیا ہے؟ اس کا یقینی علم تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس نہیں تھا' تاہم یوسف علیہ السلام کے واقعے پر قیاس کرتے ہوئے ان کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں بجا طور پر شکوک و شبہات تھے۔

(۲) اب پھر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں تھا' تاہم صبر کے ساتھ امید کا دامن بھی نہیں چھوڑا' جَمِيعًا سے مراد یوسف علیہ السلام' بنیامین اور وہ بڑا بیٹا ہے جو مارے شرم کے وہیں مصر میں رک گیا تھا کہ یا تو والد صاحب مجھے اسی طرح آنے کی اجازت دے دیں یا پھر میں کسی طریقے سے بنیامین کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

(۳) یعنی اس تازہ صدمے نے یوسف علیہ السلام کی جدائی کے قدیم صدمے کو بھی تازہ کر دیا۔

(۴) یعنی آنکھوں کی سیاہی' مارے غم کے' سفیدی میں بدل گئی تھی۔

(۵) حَرَضٌ' اس جسمانی عارضے یا ضعف عقل کو کہتے ہیں جو بڑھاپے' عشق یا پے در پے صدمات کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتا ہے' یوسف علیہ السلام کے ذکر سے بھائیوں کی آتش حسد پھر بھڑک اٹھی' اور اپنے باپ کو یہ کہا۔

معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔[1] (۸۶)

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۸۷

میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف (علیہ السلام) کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو[2] اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔[3] (۸۷)

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۸۸

پھر جب یہ لوگ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے[4] تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔[5] ہم حقیر پونجی لائے ہیں پس آپ ہمیں پورے غلہ کا ناپ دیجئے[6] اور ہم پر خیرات کیجئے،[7] اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔ (۸۸)

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۸۹

یوسف نے کہا جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟[8] (۸۹)

---

(۱) اس سے مراد یا تو وہ خواب ہے جس کی بابت انہیں یقین تھا کہ اس کی تعبیر ضرور سامنے آئے گی اور وہ یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں گے یا ان کا یہ یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ موجود ہیں' اور اس سے زندگی میں ضرور ملاقات ہوگی۔

(۲) چنانچہ اسی یقین سے سرشار ہو کر انہوں نے اپنے بیٹوں کو یہ حکم دیا۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴾ (الحجر-۵۶) "گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو سخت سے سخت حالات میں بھی صبر و رضا کا اور اللہ کی رحمت واسعہ کی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

(۴) یہ تیسری مرتبہ ان کا مصر جانا ہے۔

(۵) یعنی غلہ لینے کے لیے ہم جو ثمن (قیمت) لے کر آئے ہیں' وہ نہایت قلیل اور حقیر ہے۔

(۶) یعنی ہماری حقیر پونجی کو نہ دیکھیں' ہمیں اس کے بدلے میں پورا ناپ دیں۔

(۷) یعنی ہماری حقیر پونجی قبول کر کے ہم پر احسان اور خیرات کریں۔ اور بعض مفسرین نے اس کے معنی کیے ہیں کہ ہمارے بھائی بنیامین کو آزاد کر کے ہم پر احسان فرمائیں۔

(۸) جب انہوں نے نہایت عاجزی کے انداز میں صدقہ و خیرات یا بھائی کی رہائی کی اپیل کی تو ساتھ ہی باپ کے بڑھاپے' ضعف اور بیٹے کی جدائی کے صدمے کا بھی ذکر کیا' جس سے یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا' آنکھیں نمناک ہو گئیں اور انکشاف حال پر مجبور ہو گئے۔ تاہم بھائیوں کی زیادتیوں کے ذکر کے ساتھ ہی اخلاق کریمانہ کا بھی اظہار فرما دیا کہ یہ کام تم نے ایسی حالت میں کیا جب تم جاہل اور نادان تھے۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِیْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾

انہوں نے کہا کیا (واقعی) تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے۔[1] جواب دیا کہ ہاں میں یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔[2] (۹۰)

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۱﴾

انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطاکار تھے۔[3] (۹۱)

قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾

جواب دیا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔[4] اللہ تمہیں بخشے' وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ (۹۲)

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۳﴾

میرا یہ کرتا تم لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں'[5] اور آجائیں اور اپنے تمام

---

(۱) بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف علیہ السلام کا تذکرہ سنا' جسے انہوں نے بچپن میں کنعان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا' تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کلام بادشاہ' یوسف علیہ السلام ہی تو نہیں؟ ورنہ یوسف علیہ السلام کے قصے کا اسے کس طرح علم ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف علیہ السلام ہی تو نہیں؟

(۲) سوال کے جواب میں اقرار و اعتراف کے ساتھ' اللہ کے احسان کا ذکر اور صبرو تقویٰ کے نتائج حسنہ بھی بیان کر کے بتلا دیا کہ تم نے تو مجھے ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کنویں سے نجات عطا فرمائی' بلکہ مصر کی فرماں روائی بھی عطا فرما دی اور یہ نتیجہ ہے اس صبر اور تقویٰ کا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔

(۳) بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کی یہ شان دیکھی تو اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف کر لیا۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی پیغمبرانہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے فرما دیا کہ جو ہوا' سو ہوا۔ آج تمہیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی۔ فتح مکہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ کے ان کفار اور سرداران قریش کو' جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں' یہی الفاظ ارشاد فرما کر انہیں معاف فرما دیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) قمیص کے چہرے پر پڑنے سے آنکھوں کی بینائی کا بحال ہونا' ایک اعجاز اور کرامت کے طور پر تھا۔

خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔[1] (۹۳)

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

جب یہ قافلہ جدا ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ مجھے تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا قرار نہ دو۔[2] (۹۴)

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

وہ کہنے لگے کہ واللہ آپ اپنے اسی پرانے خبط[3] میں مبتلا ہیں۔(۹۵)

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے۔[4] کہا! کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔[5] (۹۶)

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾

انہوں نے کہا اباجی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بیشک ہم قصوروار ہیں۔(۹۷)

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

کہا اچھا میں جلد ہی تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا،[6] وہ بہت بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربانی

---

(۱) یہ یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو مصر آنے کی دعوت دی۔

(۲) ادھر یہ قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اور ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعجاز کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگ گئی۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے، پیغمبر بے خبر ہوتا ہے، چاہے بیٹا اپنے شہر کے کسی کنویں ہی میں کیوں نہ ہو؟ اور جب اللہ انتظام فرما دے تو پھر مصر جیسے دور دراز کے علاقے سے بھی بیٹے کی خوشبو آجاتی ہے۔

(۳) ضَلاَلٌ سے مراد، دالہانہ محبت کی وہ وارفتگی ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے، ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی یعنی یوسف علیہ السلام کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کی محبت دل سے نہیں گئی۔

(۴) یعنی جب وہ خوش خبری دینے والا آگیا اور آکر وہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دی، تو اس سے معجزانہ طور پر ان کی بینائی بحال ہو گئی۔

(۵) کیونکہ میرے پاس ایک ذریعہ علم وحی بھی ہے جو تم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو حالات سے حسب مشیت و مصلحت آگاہ کرتا رہتا ہے۔

(۶) فی الفور مغفرت کی دعا کرنے کے بجائے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا، مقصد یہ تھا کہ رات کے پچھلے پہر میں، جو اللہ کے

کرنے والا ہے۔(۹۸)

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی[1] اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ۔(۹۹)

وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ[2] کو اونچا بٹھایا اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔[3] تب کہا کہ اباجی! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے[4] میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا' اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا[5] اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا[6] اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے

خاص بندوں کا اللہ کی عبادت کرنے کا خاص وقت ہوتا ہے' اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کروں گا۔ دوسری بات یہ کہ بھائیوں کی زیادتی یوسف علیہ السلام پر تھی۔ ان سے مشورہ لینا ضروری تھا۔ اس لئے انہوں نے تاخیر کی اور فوراً مغفرت کی دعا نہیں کی۔

(۱) یعنی عزت واحترام کے ساتھ انہیں اپنے پاس جگہ دی اور ان کا خوب اکرام کیا۔

(۲) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سوتیلی ماں اور سگی خالہ تھیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کی حقیقی ماں بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہو گئی تھیں' حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی وفات کے بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر لیا تھا۔ یہی خالہ اب حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر گئی تھیں (فتح القدیر) لیکن امام ابن جریر طبری نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی والدہ فوت نہیں ہوئی تھیں اور وہی حقیقی والدہ ساتھ تھیں۔ (ابن کثیر)

(۳) بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ادب و تعظیم کے طور پر یوسف علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ لیکن ﴿ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ﴾ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وہ زمین پر یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔ یعنی یہ سجدہ' سجدہ ہی کے معنی میں ہے۔ تاہم یہ سجدہ' سجدۂ تعظیمی ہے سجدۂ عبادت نہیں اور سجدۂ تعظیمی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ اسلام میں شرک کے سدباب کے لیے سجدۂ تعظیمی کو بھی حرام کر دیا گیا ہے اور اب سجدۂ تعظیمی بھی کسی کے لیے جائز نہیں۔

(۴) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا۔ اتنی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت شاہی پر بٹھایا اور والدین سمیت تمام بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا۔

(۵) اللہ کے احسانات میں کنویں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ اخلاق نبوی ہے۔

(۶) مصر جیسے متمدن علاقے کے مقابلے میں کنعان کی حیثیت ایک صحرا کی تھی' اس لیے اسے بَدْوٌ سے تعبیر کیا۔

الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔[1] میرا رب جو چاہے اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اور وہ بہت علم و حکمت والا ہے۔(۱۰۰)

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا[2] اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھلائی۔[3] اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی (دوست) اور کارساز ہے، تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملا دے۔[4] (۱۰۱)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے۔[5] (۱۰۲)

---

(۱) یہ بھی اخلاق کریمانہ کا ایک نمونہ ہے کہ بھائیوں کو ذرا مورد الزام نہیں ٹھہرایا اور شیطان کو اس کارستانی کا باعث قرار دیا۔

(۲) یعنی ملک مصر کی فرمانروائی عطا فرمائی، جیسا کہ تفصیل گزری۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، جن پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا اور خاص خاص باتوں کا علم انہیں عطا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس علم نبوت کی روشنی میں پیغمبر خوابوں کی تعبیر بھی صحیح طور پر کر لیتے تھے، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس فن تعبیر میں خصوصی ملکہ حاصل تھا، جیسا کہ قید کے ساتھیوں کے خواب کی اور سات موٹی گایوں کے خواب کی تعبیر پہلے گزری۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر جو احسانات کیے، انہیں یاد کر کے اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا تذکرہ کر کے دعا فرما رہے ہیں کہ جب مجھے موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے آباو اجداد، حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام وغیرہ مراد ہیں۔ بعض لوگوں کو اس دعا سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا مانگی۔ حالانکہ یہ موت کی دعا نہیں ہے، آخر وقت تک اسلام پر استقامت کی دعا ہے۔

(۵) یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ، جب کہ انہیں کنویں میں پھینک آئے یا مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں یعنی ان کو یہ کہہ کر کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور یہ اس کی قمیص ہے، جو خون میں لت پت ہے۔ ان کے ساتھ فریب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم تھا۔ لیکن یہ نفی مطلق علم کی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے وحی کے ذریعے سے آپ کو آگاہ فرما دیا۔ یہ نفی مشاہدے کی ہے کہ اس

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

گو آپ لاکھ چاہیں لیکن اکثر لوگ ایمان دار نہ ہوں گے۔[1] (۱۰۳)

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

آپ ان سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے ہیں۔[2] یہ تو تمام دنیا کے لیے نری نصیحت ہی نصیحت ہے۔[3] (۱۰۴)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن سے یہ منہ موڑے گزر جاتے ہیں۔[4] (۱۰۵)

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔[5] (۱۰۶)

وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح ایسے لوگوں سے بھی آپ کا رابطہ و تعلق نہیں رہا ہے جن سے آپ نے سنا ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو اس واقعہ غیب کی خبر دی ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر اسی طرح علم غیب اور مشاہدے کی نفی فرمائی ہے۔ (مثلاً ملاحظہ ہو' سورۂ آل عمران ۷' ۴۴۔ القصص ۴۵' ۴۶۔ سورۂ ص ۶۹-۷۰)

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پچھلے واقعات سے آگاہ فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں اور اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اختیار کر کے نجات ابدی کے مستحق بن جائیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے کیونکہ وہ گزشتہ قوموں کے واقعات تو سنتے ہیں لیکن عبرت پذیری کے لیے نہیں' صرف دلچسپی اور لذت کے لئے۔ اس لیے وہ ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں۔

(۲) کہ جس سے ان کو یہ شبہ ہو کہ یہ دعوائے نبوت تو صرف پیسے جمع کرنے کا بہانہ ہے۔

(۳) تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ اب دنیا کے لوگ اگر اس سے آنکھیں پھیرے رکھیں اور اس سے ہدایت حاصل نہ کریں تو لوگوں کا قصور اور ان کی بدقسمتی ہے' قرآن تو فی الواقع اہل دنیا کی ہدایت اور نصیحت ہی کے لیے آیا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(۴) آسمان و زمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک خالق و صانع ہے جس نے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو ان کا ایسا انتظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا ہے اور ان میں کبھی آپس میں ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہوا ہے۔ لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گزر جاتے ہیں ان پر غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

(۵) یہ وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۱۰۷

کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عام عذاب آجائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ بے خبر ہی ہوں۔(۱۰۷)

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۰۸

آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ (۱) اور اللہ پاک ہے (۲) اور میں مشرکوں میں نہیں۔(۱۰۸)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۰۹

آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے۔ (۳) کیا زمین میں چل پھر کر انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا کچھ انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔(۱۰۹)

آسمان و زمین کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں اور یوں اکثر لوگ مشرک ہیں۔ یعنی ہر دور میں لوگ توحید ربوبیت کے تو قائل رہے ہیں لیکن توحید الوہیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آج کے قبر پرستوں کا شرک بھی یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون بزرگوں کو صفات الوہیت کا حامل سمجھ کر انہیں مدد کے لیے پکارتے بھی ہیں اور عبادت کے کئی مراسم بھی ان کے لیے بجا لاتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ.

(۱) یعنی یہ توحید کی راہ ہی میری راہ ہے بلکہ ہر پیغمبر کی راہ رہی ہے، اسی کی طرف میں اور میرے پیروکار پورے یقین اور دلائل شرعی کے ساتھ لوگوں کو بلاتے ہیں۔

(۲) یعنی میں اس کی تنزیہ و تقدیس بیان کرتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، مثیل یا وزیر و مشیر یا اولاد اور بیوی ہو۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

(۳) یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ تمام نبی مرد ہی ہوئے ہیں، عورتوں میں سے کسی کو نبوت کا مقام نہیں ملا، اسی طرح ان کا تعلق قریہ سے تھا، جو قصبہ دیہات اور شہر سب کو شامل ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل بادیہ (صحرا نشینوں) میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اہل بادیہ نسبتاً طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھردرے ہوتے ہیں اور شہری ان کی نسبت نرم، دھیمے اور بااخلاق ہوتے ہیں اور یہ خوبیاں نبوت کے لیے ضروری ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے[۱] اور وہ (قوم کے لوگ) خیال کرنے لگے کہ انہیں جھوٹ کہا گیا۔[۲] فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آپہنچی[۳] جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی۔[۴] بات یہ ہے کہ ہمارا عذاب گناہ گاروں سے واپس نہیں کیا جاتا۔ (۱۱۰)

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱

ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے، یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں، کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے ہر چیز کو اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان دار لوگوں کے لیے۔[۵] (۱۱۱)

---

(۱) یہ مایوسی اپنی قوم کے ایمان لانے کے سلسلے میں ہوئی۔

(۲) قراءات کے اعتبار سے اس آیت کی کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں لیکن سب سے مناسب مفہوم یہ ہے کہ ظَنُّوا کا فاعل قوم یعنی کفار کو قرار دیا جائے یعنی کفار عذاب کی دھمکی پر پہلے تو ڈرے لیکن جب زیادہ تاخیر ہوئی تو خیال کیا کہ عذاب تو آتا نہیں ہے، (جیسا کہ پیغمبر کی طرف سے دعویٰ ہو رہا ہے) اور نہ آتا نظر ہی آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں سے بھی یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپ کی قوم پر عذاب میں جو تاخیر ہو رہی ہے، اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی قوموں پر بھی عذاب میں بڑی بڑی تاخیر روا رکھی گئی ہے اور اللہ کی مشیت و حکمت کے مطابق انہیں خوب خوب مہلت دی گئی، حتیٰ کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید انہیں عذاب کا یوں ہی جھوٹ موٹ کہہ دیا گیا ہے۔

(۳) اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قانون مہلت کا بیان ہے، جو وہ نافرمانوں کو دیتا ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں وہ اپنے پیغمبروں کی خواہش کے برعکس بھی زیادہ سے زیادہ مہلت عطا کرتا ہے، جلدی نہیں کرتا، یہاں تک کہ بعض دفعہ پیغمبر کے ماننے والے بھی عذاب سے مایوس ہو کر یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ ان سے یوں ہی جھوٹ موٹ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ محض ایسے وسوسے کا پیدا ہو جانا ایمان کی منافی نہیں ہے۔

(۴) یہ نجات پانے والے اہل ایمان ہی ہوتے تھے۔

(۵) یعنی یہ قرآن، جس میں یہ قصہ یوسف علیہ السلام اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، کوئی گھڑا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضروری باتوں کی تفصیل ہے اور ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت۔